جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(۴)

(گزشتہ سے پیوستہ)

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ، وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ، وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ، ذٰلِكَ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اُن لوگوں کے لیے (جو اِس بصیرت سے محروم ہیں) دنیا کے مرغوبات: عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر[۲۱]، نشان زدہ گھوڑے[۲۲]، چوپائے اور کھیت بہت لبھانے کی چیز بنا دیے گئے ہیں[۲۳]۔ یہ سب دنیا کی

[۲۱] اصل الفاظ ہیں: 'القناطیر المقنطرة'۔ یہ اسی طرح کی ترکیب ہے، جس طرح عربی زبان میں 'الف مولفة' اور 'بدرة مبدرة' وغیرہ کی تراکیب استعمال ہوتی ہیں۔

[۲۲] اس سے مراد ہیں اصیل گھوڑے۔ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ عمدہ اور اصیل گھوڑوں پر بالعموم نشان لگایا جاتا ہے۔

[۲۳] اصل میں لفظ 'زین للناس' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس میں مال واولاد اور زن وفرزند کی محض رغبت پر کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ رغبت تو انسان کی فطرت کا تقاضا ہے، بلکہ ان کی تزیین کا ذکر ہے۔ استاذ امام اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> ”'تزئین' کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز اس طرح آنکھوں میں کھب جائے کہ آدمی اس کے اثر سے ہر چیز اسی کے رنگ میں دیکھنے لگ جائے، یہاں تک کہ اس سے الگ ہو کر اس کے لیے کسی چیز کو دیکھنا ممکن ہی نہ رہ جائے۔ وہ ہر چیز کو تولنے اور پرکھنے کے لیے اسی کو پیمانہ اور کسوٹی قرار دے لے۔ کسی چیز کی رغبت کا اس درجہ غلبہ، ظاہر ہے، فاطر فطرت کے منشا کے

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ
ذٰلِكُمْ: لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا، وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ، وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ اَلَّذِيْنَ

زندگی کا سروسامان ہے[24] اور اچھا ٹھکانا تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ ان سے کہیے کہ میں تمھیں بتاؤں کہ اِن چیزوں سے بہتر کیا ہے؟[25] اللہ سے ڈر کر رہنے والوں کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور (سب سے

خلاف ہے۔ اسی سے زندگی میں وہ بے اعتدالیاں ظہور میں آتی ہیں جو انسان کو فطرت اور شریعت کے جادۂ مستقیم سے ہٹا دیتی ہیں۔ یہ ایک بیماری کی حالت ہے جو بے بصیرتی اور حدود الٰہی کے عدم احترام یا بالفاظ دیگر عدم تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں اصل دخل نفس اور شیطان کا ہوتا ہے۔ نفس اپنی چاہتوں میں فطری حدود سے آگے نکل جاتا ہے، پھر شیطان ان چاہتوں پر ایسا دل فریب ملمع کر دیتا ہے کہ آدمی کی نظر ان سے ہٹ کر کسی اور طرف کا رخ ہی نہیں کرتی۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۴۰)

اسی طرح مرغوبات نفس کے بیان میں یہاں جو ترتیب ملحوظ ہے، اس کی وضاحت میں انھوں نے لکھا ہے:

''پہلے اہل وعیال کا ذکر کیا ہے، اس لیے کہ محبت کے لحاظ سے سب سے اونچا مقام انھی کا ہے، دوسری چیزوں کی محبت اصلاً ان کے تابع ہے، بلکہ زیادہ تر انھی کے لیے ہے۔ اس کے بعد مال کا ذکر ہے اور مال میں سونے کا ذکر اس کی گراں قیمتی کی وجہ سے دوسرے نقود پر مقدم ہے۔ سروسامان میں سب سے پہلے گھوڑوں کا ذکر ہے، اس لیے کہ اہل عرب زینت، فخر اور دفاع، تینوں کے نقطۂ نظر سے گھوڑے کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اس کے بعد چوپایوں کا ذکر ہے، اس لیے کہ تمدن کے ظہور سے پہلے بدویت کے دور میں معاش کا انحصار بیش تر انھی پر تھا۔ آخر میں کھیتی اور باغ کا ذکر ہے، اس لیے کہ ان کی اہمیت تمدن کے دور میں داخل ہونے کے بعد شروع ہوئی ہے جب انسان نے شہروں اور دیہاتوں کی رہایش اختیار کر لی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۴۱)

[۲۴] یعنی اس دنیا کی زندگی کا سروسامان ہے جو خود بھی ناپایدار ہے، جس کی سب چیزیں بھی بالکل بے حقیقت ہیں اور قیامت کے بعد جو خدا کی ابدی بادشاہی قائم ہونے والی ہے، اس کے مقابلے میں جس کی لذتوں پر ریجھنا بھی سراسر حماقت ہے۔ یہ تمام معانی، اگر غور کیجیے تو اس چھوٹے سے فقرے میں بیان ہو گئے ہیں۔

[۲۵] یہ مخاطبین کو زاویۂ نظر بدلنے کی دعوت ہے کہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو اصل زندگی سمجھ کر گزارنے کے بجائے وہ آخرت کی طرف دیکھیں، جہاں ایک ابدی اور لازوال زندگی اور اس کی نعمتیں ان کی منتظر ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا، فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی ہے[26]، اور (اِس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے کہ) اللہ اپنے اِن بندوں کو دیکھ رہا ہے[27]۔ یہ[28] جو دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگار، ہم ایمان لائے ہیں، سو تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ یہ[29] صبر کرنے والے، سچے، فرماں بردار، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کی گھڑیوں میں اٹھ کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنے والے۔ ۱۴۔ ۱۷

---

[۲۶] یہ جنت کی نعمتوں کے لیے ایک جامع تعبیر ہے۔ چنانچہ جب اس کا ذکر ہو گیا تو استاذ امام کے الفاظ میں گویا ہر نعمت کا ذکر ہو گیا، اس کا بھی جس کے لیے تعبیر کا کوئی جامہ موجود ہے اور اس کا بھی جو خیال و گمان اور وہم و قیاس، ہر چیز سے بالاتر ہے۔

[۲۷] یہ جملہ تسلی کے محل میں ہے۔ یعنی دیکھ رہا ہے تو ان کے ایمان و عمل اور اس پر ان کی استقامت کا صلہ بھی انھیں لازماً دے گا، ان کی کوئی قربانی بھی اللہ کے حضور میں ضائع نہیں ہو گی۔

[۲۸] یہ پچھلی آیت میں 'لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا' سے بدل ہے۔ مدعا یہ ہے کہ خدا کے ان بندوں کو دیکھو اور تم بھی دنیا کے مرغوبات ہی کے پیچھے بھاگتے رہنے کے بجائے، انھیں چھوڑ کر اس راہ پر آ جاؤ۔

[۲۹] یہ دوسرا بدل ہے جس سے قرآن نے ان اخلاقی اوصاف کو نمایاں کر دیا ہے جو اس کے حاملین میں ہونے چاہییں۔

[۳۰] غربت، بیماری، جنگ اور اس نوعیت کے نرم و گرم حالات میں آدمی عزم و ہمت کے ساتھ اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں کا مقابلہ کرے اور جس موقف کو وہ صحیح سمجھتا ہے، بغیر کسی مایوسی، گھبراہٹ اور جزع فزع کے اس پر قائم رہے تو یہ صبر ہے۔ قرآن نے یہاں اپنے حاملین کی صفات میں سب سے پہلے اسی کو نمایاں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے، ان کے لیے قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو صبر کا خوگر نہیں بنا سکے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org